OPEN ACCESS

KJMR

Kashf Journal of Multidisciplinary Research
Vol: 02 - Issue 1 (2025)
P-ISSN: 3007-1992 E-ISSN: 3007-200X
https://kjmr.com.pk

محمد سلیم الرحمٰن کی نظم "ہسپتال" کا فکری و فنی مطالعہ

A THEMATIC AND ARTISTIC ANALYSIS OF M. SALEEM U REHMAN'S POEM "HOSPITAL"

نیل زہرا

اسکالر پی ایچ ڈی (اردو)، جامعہ فاطمہ جناح برائے خواتین، راولپنڈی

مریم بتول

اسکالر ایم فل (اردو)، جامعہ فاطمہ جناح برائے خواتین، راولپنڈی۔

***Corresponding author: Neel Zahra (Neelbaig72@gmail.com)**

DOI: https://doi.org/10.71146/kjmr180

Article Info

Abstract

In the literary genres of Urdu poetry, ghazal and poem (nazm) are included. The ghazal is characterized by thematic diversity, while the poem is primarily distinguished by structural diversity. Although the ghazal has embraced new themes, no significant change in its structure is possible. In contrast, the poem shows innovation not only in its themes but also in its structure. In modern Urdu poetry, "azad nazm" (free verse) holds special importance. Due to the freedom of structure in free verse, it exhibits both intellectual diversity and stylistic innovations. Saleem U Rehman is a prominent name in modern free verse. The following paper presents a thematic and artistic analysis of his poem "Hospital.".

This article is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY) license https://creativecommons.org/licenses/by/4.0

Keywords: *Literary Genres, Ghazal, Poem, Thematic Diversity, Structural Diversity, Modern Urdu Poetry, Saleem U Rehman.*

ملخص:

اردو کی ادبی اصنافِ سخن میں غزل اور نظم شامل ہیں۔ غزل موضوعاتی تنوع جبکہ نظم میں ہیتی تنوع غالب ہے۔ غزل نے اگرچہ اپنے دامن میں نئے موضوعات سمیٹے تاہم ہیئت کے اعتبار سے غزل میں کوئی تبدیلی واقع ہونا ممکن نہیں۔ اس کے برعکس نظم کے نہ صرف موضوعات میں بلکہ ہیئت میں بھی جدت نظر آتی ہے۔ جدید اردو شاعری میں آزاد نظم کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ہیت کی آزادی کی وجہ سے آزاد نظم میں ایک طرف فکری تنوع ملتا ہے تو دوسری طرف اسلوبیاتی اختراعات ملتی ہیں۔ سلیم الرحمٰن جدید آزاد نظم کا اہم نام ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں ان کی نظم "ہسپتال" کا فکری و فنی جائزہ پیش ہے۔

کلیدی الفاظ: اصنافِ سخن، غزل، نظم، موضوعاتی تنوع، ہیتی تنوع، جدید اردو شاعری، سلیم الرحمٰن

اردو ادب میں شاعری بھی نثری ادب کی طرح معاشرتی تبدیلیوں سے متاثر ہوتی رہی ہے۔ غزل کی ہم دوش نظم بھی عہد بہ عہد شعرا کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ نظم نے بھی دوسری اصنافِ سخن کی طرح اپنا دامن معاشرے میں پنپنے والی حسیات سے وسیع کیا ہے۔ یہ بھی اپنا مواد و سرمایہ معاشرے سے لیتی ہے اور معاشرے کو سماجی، ثقافتی، تہذیبی و تمدنی حوالوں سے اصلاحی و اخلاقی تدابیر پیش کرتی ہے۔ شاعری کے لیے تخیل کی گیرائیوں اور عمیق تفکر و تخیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جتنا کسی شاعر کا تخیل اونچا یا پختہ ہو گا اتنی ہی اعلیٰ وارفع شاعری تخلیق ہو گی۔ نظم کی تاریخ اور روایت گواہ ہے کہ نظم گو شعرا نے اپنے عالی تفکر کی بنا پر نہ صرف عالی خیال نظم کیے بلکہ متنوع اسالیب بھی تراشے اور یوں دبستانِ نظم کو رنگا رنگ فن پاروں سے سجایا۔ آزاد نظم کا خاص وصف ہے کہ اس میں ہئیت کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ یہ بحر و قافیہ کی پابند بھی ہوتی ہے اور ان قیود سے آزاد بھی ہوتی ہے۔ بنا بریں نظم میں موضوعات کا تنوع اور مضامین کی وسعت زیادہ ہوتی ہے۔ نظم میں زندگی کے کسی بھی موضوع کو کسی بھی انداز سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ نظم کے حوالے سے خواجہ محمد اکرام الدین اپنی کتاب " اردو کی شعری اصناف" میں لکھتے ہیں:

> "لفظ نظم نثر کے مقابلے میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ شاعری کی دیگر اصناف کے مقابلے میں جب لفظ نظم کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے ایک خاص صنف مراد لی جاتی ہے۔ یہ ایک ہمہ گیر اور وسیع ترین صنف ہے جو مختلف ہئیتوں میں لکھی جاتی رہی اور دنیا بھر کے تمام موضوعات اس کی بساط میں سمٹتے رہے ہیں۔ جدید اردو شاعری میں غزل کے بعد بلکہ غزل کے دوش بدوش چلنے والی کوئی صنف ہو سکتی ہے تو وہ اردو نظم ہی ہے "۔(۱)

اردو نظم میں بہت سے تجربے اس کی وسعت و گیرائی کی دلیل ہیں۔ نظیر اکبر آبادی، الطاف حسین حالی، اکبر الہ آبادی، علامہ محمد اقبال، جوش ملیح آبادی، ساحر لدھیانوی، فیض احمد فیض، علی سردار جعفری، نذر محمد راشد (ن۔م راشد)، میرا جی اور اسماعیل میر ٹھی جیسے شعرا جدید اردو نظم کے بڑے شعرا میں سے ہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں اردو نظم میں ہئیت کے مختلف تجربے کیے گئے۔ مختلف اقسام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے صوتی آہنگ کے تاثر کا خیال بھی مقدم ہے۔ قافیے اور ردیف، اوزان اور بحور، علامتی و اساطیری انداز، نئی لفظیات و تراکیب کے استعمال اور تشبیہات و استعارات کے چناؤ سے شعریت کی لسانی صورت گری کرتے ہوئے معاشرے میں بدلتے ہوئے رجحانات کو مکالمہ، تمثیل، تجسیم، خود کلامی اور ڈرامائی انداز میں پیش کیا گیا۔

بیسویں صدی جدید انسان کی بے توقیری کا فسانہ سناتی ہے۔ دو عالمی جنگوں کے زیرِ اثر انسان اعتمادِ ذات سے محروم ہو کر فرار و اجنبیت کے احساس اور گھٹن میں مبتلا ہوتا گیا۔ عالمی تباہ کاریوں کا اثر اردو ادب پر بھی مرتسم ہوتا گیا۔ نثر و شعر ہر دو اصناف میں تخلیق کاروں نے ایک طرف فرار، یاسیت، اجنبیت، ناامیدی جیسی اضطرابی کیفیات کو تسطیر کیا تو دوسری طرف رجائیت کے ساتھ داخل و خارج سے نبرد آزما اس نئے مقہور و مجبور انسان کا خاکہ پیش کیا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی سے

معاشرے نمو و ترقی پاتے گئے تو ساتھ ہی انسان نے نت نئی ایجادات سے مشکلات اور مقہوری کا سامنا بھی کیا۔ نئی شاعری نے کلاسیکی روایتوں سے الگ نئی ترجیحات پیدا کیں اور فکر کے ساتھ ساتھ فن و اسلوب میں بھی تبدیلیاں کیں۔ ۱۹۶۰ء میں نئی شاعری کی اس تحریک کے تحت بدلتے منظر نامے میں سامنے آنے والے نکات درجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ماضی سے علیحدگی خصوصاًاقداری نظام سے بغاوت

۲۔ سیاسی اداروں کے جبر کے خلاف ردِ عمل کے لیے نئی علامتوں، استعاروں اور تشبیہات کی تخلیق

۳۔ ہر طرح کے موضوعات کا شاعری میں داخلہ

۴۔ ناقابل بیان (ممنوعہ) موضوعات کے لیے نئے لسانی پیکر کی تلاش

۵۔ الفاظ کو نئے سیاق و سباق میں پیش کرنا

۶۔ آزاد نظم کا عروج

۷۔ نئی شعری لسانیات کی تشکیل

۸۔ شاعری میں ترسیلِ معنی کے بجائے تشکیلِ معنی کو فروغ دینا

نئی شاعری کے اہم شعرا میں انیس ناگی، جیلانی کامران، افتخار جالب، عباس اطہر، زاہد ڈار، کشور ناہید، احمد شمیم، عبدالرشید، آفتاب اقبال شمیم، ظفر اقبال اور سلیم الرحمٰن جیسے شعرا سرِ فہرست ہیں۔ ان شعرا کے توسط سے جدید اردو نظم میں نئے شعری اسالیب نے جنم لیا۔ ان میں کردار نگاری کا اسلوب سب سے زیادہ انفرادر کھتا ہے۔ جدید اردو نظم کے اس اسلوب میں نظم کہنے کا ایک واضح سبب اردو شعرا کا مغربی ادبیات کا مطالعہ ہے۔ نئے شاعروں نے اپنی شاعری میں علامت نگاری اور معروض کو خصوصی اہمیت دی۔ جدید شعرا نے لسانی علامتوں کے بجائے امیجز سے ایسی علامتیں اخذ کیں جو زندگی کی بے معنویت و لایعنیت کی تہ در تہ کیفیتوں کی وضاحت کرتی ہیں۔ نئی شاعری میں منطقی ترتیب نہیں بلکہ آزاد تلازمہ خیال کی ترتیب ملتی ہے۔ نئے شاعر روایتی موضوعات سے انحراف اور بغاوت کرتے ہوئے لسانیات کے مروجہ ڈھانچے سے بھی گریزپا ہوئے۔ نئی شاعری کی تحریک سے شعرا نے شعری زبان کے اس نووارد طریقہ اظہار کو لسانی تشکیل کا نام دیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ کلاسیکی اور روایتی زبان، فقروں کی ساخت، استعارے، علامتیں اور خیالات کو بیان ناکافی ہیں اس لیے نئی اور منفرد سوچوں کے بیان کے لیے زبان کے ڈھانچے میں تبدیلی ضروری ہے۔

جدید نظم کا بنیادی موضوع "انسان" ہے۔ نئی دنیا ایک ایسے جزیرے پر آباد ہے جہاں تنہائی، موت کا خوف، اجنبیت، یاسیت، اکیلا پن، ذات کی داخلی گھٹن، نت نئی ایجادات اور ہتھیاروں کی طاقت کی بدولت زندگی سستی ہو گئی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے استعمال سے فرد کی شناخت کا بحران اور مسئلہ در آیا۔ سیاسی عدم استحکام نے معاشی بے یقینی کی صورتِ حال کو جنم دیا جس سے جدید انسان حال اور مستقبل کے اندیشوں میں مبتلا ہوا۔ منظر ایوبی اپنی کتاب "اردو شاعری میں نئے موضوعات کی تلاش" میں اس حوالے سے رقم طراز ہیں کہ:

> "جدید شاعری کے موضوعات میں قحط، بھوک، افلاس، بیماری، بے روزگاری، تباہ کاری، موت، جہالت، مزدور، طبقاتی نظام، سیاسی، معاشی اور سماجی زندگی، مظلومیت و انسانیت اور عالمی صورتِ حال شامل ہیں"۔ (۲)

جدید اردو شاعری میں جدید انسان کا تصور جدید دنیا کے بدلتے ہوئے منظر نامے کے ساتھ ابھرا۔ جدیدیت سے مراد فکری رویے ہیں جو قدیم سے انحراف یا ردِ عمل کا نتیجہ سمجھے جاتے ہیں۔ جدیدیت عقل اور منطق کے رہین حقائق کے ادراک اور معاشرے میں ترقی و ارتقا کو اپنے خاص وظائف مانتی ہے۔ اپنے عہد کی زندگی اور اس میں موجود یا سامنے آنے والے مسائل، خطرات، امکانات اور تقاضوں کو برتنے کا نام جدیدیت ہے۔ ہر دور اپنے زمانے کے رجحانات اور حسیات

کے مطابق جدید ہوتا ہے۔اس اعتبار سے یہ ایک ایسا مستقل عمل ہے کہ جو ہمیشہ جاری رہتا ہے۔جدیدیت کا ایک تصور یہ بھی ہے کہ انسان "مشین" ہے۔ہم بطور انسان طبعی زندگی گزارتے ہوئے ایک فطری دنیا میں رہتے ہیں اور ہمیں یہاں وہی کچھ نظر آتا ہے جس کا فہم وادراک یا احساس ہم اپنی حسیات سے حاصل کرتے ہیں۔ مختلف اردو نقادوں نے جدیدیت کی کئی تعریفیں اور مفاہیم پیش کیے ہیں۔اس حوالے سے آل احمد سرور لکھتے ہیں:

> "جدیدیت صرف انسان کی تنہائی یا مایوسی،اس کی اعصاب زدگی کی داستان نہیں ہے اس میں انسان کی عظمت کے ترانے بھی ہیں۔اس میں فرد اور سماج کے رشتے کو بھی خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔اس میں انسان دوستی کا ایک جذبہ بھی ہے مگر جدیدیت کا نمایاں روپ آئیڈیالوجی سے بیزاری،فرد پر توجہ اس کی نفسیات کی تحقیق،ذات کا عرفان اس کی تنہائی اور اس کی موت کے تصور سے خاصی دلچسپ ہیں"۔(۳)

نئے شعرا نے اپنی مخصوص حسیات اور عصری انسلاک کے ذریعے انسانی وجود کے داخل و خارج کے اجتماعی و انفرادی حوالوں کا مشاہدہ کیا جن میں کرب، مایوسی، قنوطیت، اکتاہٹ، نفرت، داخلی کشمکش، اضطراب، اجنبیت، تنہائی، شناخت، امید اور رجائیت جیسے وجودی عناصر شامل ہیں۔ ان شعرا نے ان جدید موضوعات کو لسانی جدت طرازی کے ساتھ نظم کیا۔جدید موضوعات جدیدیت کی دین ہیں۔لطف الرحمن نے جدیدیت کی جو توضیح پیش کی ہے وہ نظم کے جدید موضوعات کی عین عکاس ہے:

> "جدیدیت ۔۔۔کے نتیجے میں فرد تنہائی، الجھن، بیگانگی، اجنبیت، اکیلاپن، کلبیت، بوریت، یکسانیت، بے معنویت، مہملیت، جرم، بے خوفی، بے سمتی، بے یقینی، ناامیدی، بے تابی، اکتاہٹ، بیزاری اور مفلسی کی کیفیت سے دوچار ہے۔"(۴)

انسان نے اگرچہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے طفیل تسخیرِ فطرت کا کارنامہ سرانجام دیا ہے تاہم ان کی غلامی بھی قبول کی ہے۔جدیدیت فرد اور سماج کے رشتے اور انسان دوستی کا جذبہ ہے تاہم جدیدت کے دائرہ کار میں نظریات سے بیزاری، فرد کی ذات بطور مرکز، فرد کی نفسیات، ذات کا عرفان، فرد کی تنہائی اور فرد کی موت کے تصور کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مبین مرزا اپنے ایک طویل مضمون "عہدِ جدید اور انسانی احساس کی صورت گری" میں مارٹن لنگز کی کتاب Modern Beliefs and Ancient Superstitions سے حوالہ نقل کرتے ہیں:

> "مارٹن لنگز کی کتاب کے مطابق اگر موجودہ انسانی معاشرے کو پرانے معاشرے کے انسان کی زندگی کے تقابل میں دیکھا جائے تو پہلے انسان کے پاس یقین کی طاقت تھی۔یہ طاقت اسے اعتقاد اور ایمان نے دی تھی۔مارٹن لنگز کے مطابق ایمان محض ایک مجرد اصطلاح نہیں ہے بلکہ یہ ایک ٹھوس عملی زندگی کا نام ہے۔یقین کی محرومی سے جدید انسان واہموں، اندیشوں اور الجھنوں میں گھر کر رہ گیا ہے۔ان سے بچنے کے لیے وہ وقتی ضرورتوں، مادی اشیا اور آسائشوں میں پناہ ڈھونڈتا ہے۔کچھ دیر کے لیے اسے امان مل بھی جاتی ہے۔حاصل اور لاحاصل کی کیفیت کی وجہ سے وہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہو جاتا ہے اور خود کو بے بس محسوس کرتا ہے۔روایتی معاشرے کے انسان کے پاس جو ایمان کی قوت تھی جس سے وہ پُرسکون تھا۔آج وہ اپنے ہاتھ سے اپنی تقدیر لکھنے پر قادر ہے مگر افسوس پھر بھی پریشان حال ہے"۔(۵)

جدید دور کا انسان ترقی کی معراج پر پہنچنے کے باوجود وجودی عناصر اور کیفیتوں سے مختلف مسائل کا سامنا کر رہا ہے۔ جدید انسان کرب میں مبتلا رہتا ہے۔ کرب کی کیفیت سے گزرنا اس کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ یہ کیفیت اس وقت جنم لیتی ہے جب انسانیت سے اعتبار اٹھ جاتا ہے وہ اپنی صلاحیتوں سے بدگمان ہو جاتا ہے۔ جدید دور کا انسان مستقبل کے حوالے سے فکر مند رہتا ہے۔ وہ اکثر اکتایا ہوا رہتا ہے۔جدید انسان کو اپنے ادھورے پن اور نامکمل ہونے کا احساس رہتا ہے۔بہتر سے بہترین کی تلاش میں اسے جہدِ مسلسل کرنی پڑتی ہے اس لیے وہ ہر لمحہ اکتاہٹ کا شکار بھی ہوتا ہے۔عہدِ حاضر کا انسان جدید ٹیکنالوجی کی بدولت نت نئے

ایجادات کر رہا ہے اور ترقی کی منازل طے کرتا جارہا ہے جن سے وہ استفادہ ضرور کرتا ہے لیکن وہ داخلی کشمکش کا شکار رہتا ہے۔ یہ کشمکش اضطراب کا پیش خیمہ ہے۔ اضطراب کا شکار انسان ہر وقت پریشانی میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ اضطراب اس لیے بھی دوچند ہو جاتا ہے کہ دراصل جدیدیت کے تحت فرد کی اپنی ذات اور شناخت کہیں گُم ہوتی جارہی ہے اور اس وجہ سے فرد کی ذات کے داخل و خارج کا تعلق عدم توازن کا شکار ہے۔ وہ اس صورت حال سے فرار کے لیے اکثر ماضی میں پناہ لیتا ہے۔ ناسٹیلجیا عصرِ حاضر کی حسیات کو پیش کرنے میں شعرا کا محبوب موضوع رہا ہے۔ جدید نظم نے متذکرہ بالا تمام عناصر کو بطور موضوع برتا ہے۔

جدید اردو نظم کے اہم شاعر سلیم الرحمٰن کی نظمیں جدید انسان کے تصور کے حوالے سے عصر حاضر کی گہری حِسیت کے ساتھ ابھرتی ہیں۔ محمد سلیم الرحمٰن ۱۲ اپریل ۱۹۳۴ء کو سہارنپور کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے والدین کے ساتھ علی گڑھ منتقل ہوئے اور تربیت کے سنہرے مہ و سال گزارتے، کتاب بینی کو عادت اور مشغلہ بناتے ہوئے اپنی شخصیت سازی میں خود ہی معاون رہے۔ علی گڑھ سے تربیت پانے والے ہر ادیب و شاعر کی طرح سلیم الرحمٰن بھی نستعلیق ہیں۔ انہیں بچپن ہی سے فارسی پر دسترس حاصل ہے۔ انگریزی ادبیات کا مطالعہ اور تراجم بھی کیے۔ ان کی شاعری پر انگریزی ادب کے اثرات نمایاں ہیں سلیم الرحمٰن کو ۲۰۱۶ء میں صدارتی ایوارڈ کے لیے نامزد کیا گیا تاہم انہوں نے یہ اعزاز قبول کرنے سے معذرت کر لی۔ محمد سلیم الرحمٰن نے ادب کی خدمت اور فروغ کو مقدم رکھتے ہوئے مختلف اصنافِ ادب میں حصہ ڈالا اور ترجمہ، تخلیق، شاعری، افسانہ، تحقیق، ادارت، ادبی نثر اور کالم نگاری وغیرہ سے اپنے فن و فکر کی آبیاری کی۔ "منظر جاگتا سوتا ہُوا "سلیم الرحمٰن کے کلام اور ان کے فن و فکر کے حوالے سے مرتبہ کتاب ہے جس میں ان کی اردو نظمیں "شام اور دہلیز" کے زیرِ عنوان شامل ہیں جبکہ دیگر مشمولات میں غزلیں، تراجم، تنقیدی مضامین، "آن والے" (پنجابی نظماں) کے عنوان سے پنجابی نظمیں شامل ہیں۔

زیرِ نظر مضمون میں سلیم الرحمٰن کی نظم "ہسپتال" کا مطالعہ بحوالہ فکر و فن مقصود ہے۔ نظم "ہسپتال" میں سلیم الرحمٰن نے جدید انسان کے حوالے سے گہرے احساسات کو رقم کیا ہے۔ انہوں نے بظاہر سادہ الفاظ کو نظم کی بنت کے لیے چنا ہے تاہم اس سہل بیانی سے انسان کے داخلی و خارجی حوالوں کو کئی معنوں میں سمجھا جاسکتا ہے۔ وہ زیریں اور بالائی مفاہیم کو ایجاز و اختصار اور سلاست کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ نظم کا عنوان "ہسپتال" ایک علامت ہے جس کی ذیل میں قاری کا ذہن فوراً ایک مریضانہ اور بیمار معاشرے کی طرف جاتا ہے۔ نظم میں گداز کی کیفیت نظر آتی ہے۔ اجنبیت اور تنہائی کا عالم چھایا ہوا ہے۔ نظم میں خزاں، ویراں اور خشک پتوں کی کھڑ کھڑاہٹ، ہزار دکھ، زرد پھولوں کی سوکھی اور جھکی گردنیں اور اس قبیل کی دیگر تراکیب ایک یاسیت بھرے تنہا انسان کا پتا دیتی ہیں کہ جو اپنے داخل و خارج کو لیے اجنبی مسافر بنا ہوا ہے۔ اجنبیت، انجانے پن اور مشینی دور کا المیہ بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ نظم سے متن ملاحظہ ہو:

"خزاں کی ویراں رہگزاروں پہ
خشک پتوں کی کھڑ کھڑاہٹ
ہزار دُکھ کی کتھا کہانی سُنا رہی ہے
کہاں تلک کوئی زرد پھولوں کی سُوکھتی ان جھُکی ہوئی گردنوں کو
چُپ چاپ دیکھ کر سوچتا ہے
اور مہیب بے سِلسلہ خیالوں کے تانے بانے سے بُنتا جائے
کبھی کواڑوں کو ہولے ہولے سے کھٹکھٹاتی
ہوا کی دستک کو سنتا جائے
سِسکتی اور ڈولتی ہوئی دھڑکنوں کو
گفتار ہے کہاں تک "؟(۲)

سلیم الرحمٰن نے آسان اور واضح علامتوں کے ذریعے جدید دنیا کے ماحول، فرد کی اجنبیت اور تنہائی بھرے اضطرابی لمحات کا منظر نامہ دکھایا ہے۔ایک بوڑھا شجر اپنی جگہ اپنا وجود لیے موجود تو ہے مگر زرد پتوں کی کھڑکھڑاہٹ،ان کا نیچے گرنا،اس کی گردن کا جھکنا اور خاموش ہونا اس المیے کی جان اشارہ ہے کہ وہ اپنا دکھ بیان کرنے سے قاصر ہے۔معدوم ہوتی ہوئی شناخت کے ساتھ ساتھ اکیلے پن، داخلی کشمکش اور ان خارجی رویوں کی بھی نشاندہی ملتی ہے جو کسی کے درد کو محسوس نہیں کرتے۔ہر مسیحا کو صرف اپنے مریض کی مسیحائی سے مطلب ہے۔ایسے عالم میں سوچوں کا طوفان اسے اندر سے کھائے جارہا ہے کہ وہ کب تلک اپنی شناخت لیے ایک جگہ موجود رہ سکتا ہے۔

استفہامیہ اسلوب جدید شاعری کا ایک تشکیلی عنصر ہے جو کئی سوالات کو جنم دیتا ہے۔استفہامیہ انداز سلیم الرحمٰن کی نظم کا نمایاں عنصر ہے جو نظم کا وصفِ خاص بن کے سامنے آتا ہے۔

اس نظم میں سادہ الفاظ و تراکیب کی معنوی استزاد کا اہتمام ملتا ہے۔"خزاں کی ویرانی"،"خشک پتوں کی کھڑکھڑاہٹ"،"زرد پھولوں کی سوکھتی اور جھکی ہوئی گردنیں"،"تانے بانے"،"سسکتی اور ڈولتی"،"ڈوبتی اور ابھرتی"،"نئی نویلی"،"ہری بھری"،"رسیں بسیں" جیسی تراکیب میں پنہاں صوت و معنی کی ہم آہنگی نظم میں معنویت کے ساتھ ساتھ نغمگی پیدا کرتی ہے۔مترادفات کا حسین امتزاج و آمیزش نظم کا خاصا ہے۔خزاں کی ویرانی کے بعد بہار کی رنگینیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نوید سنائی گئی ہے کہ ٹہنیاں ہنسیں گی اور بستیاں جو بے رنگ ہیں پھر سے بسیں گی، آباد ہوں گی۔ نظم کا پیغام ہے کہ زندگی کو رکنا نہیں چاہیے،اسے آگے آنے والے مبارک لمحات کا انتظار کرنا چاہیے۔یہ درست نہیں کہ انسان مایوسی میں ہی اپنا رونا روتے ہوئے زندگی تمام کرے۔انسان اپنی بیماری سے نجات کے لیے جتنی تگ ودو اور علاج کرے گا اتنا ہی پُرتاثیر علاج ہو گا۔تاہم یہ حقیقت ہے کہ ہسپتال سے مریض کبھی لاعلاج اور مایوس لوٹتا ہے، بعض اوقات موت کو گلے لگا کے دم توڑ دیتا ہے اور کبھی نیم شفایابی یا مکمل شفایابی کے ساتھ لوٹتا ہے۔پس ہر لحظہ ہر امکان کو نظر میں رکھنا بھی ضروری ہے۔

"ہسپتال" کو سلیم الرحمٰن نے بیک وقت علامت، تشبیہ اور استعارہ تینوں کے طور پر برتا ہے، بطور علامت ایسی جگہ جہاں انسان کو تسکینِ حیات میسر ہو اور جہاں اس کے مرض کی تشخیص ہو اور علاج ودوا ہو۔۔بطور استعارہ انسان کو یہاں سے شفا، بقا، حیات، نجات، تریاق یا موت کی نصیب ہوتی ہے۔۔بطور تشبیہ دیکھیں تو دنیا ایک ہسپتال کی مانند ہے کہ جہاں انسان کچھ عرصے کے لیے آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔۔بیماری، شفایابی، سکھ کا منتظر رہنا، علاج یا نتیجے کا انتظار اور بہتری کی امید کے سہارے زندگی گزارنا، گومگو کی کیفیت میں عجیب خیالات اور وسوسوں، ذہنی و داخلی واہموں اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار انسان منتظر رہتا ہے کہ کب لحہ قرار میسر ہو۔ طارق ہاشمی اپنی کتاب "اردو نظم اور معاصر انسان" میں رقم طراز ہیں:

> "شفایابی اور سکھ کے انتظار کی خوشبو اپنی جگہ لیکن لمحہَ حال میں وہ جس کیفیت کا شکار ہے وہ ایک ذہنی کشمکش اور نفسیاتی ابتلا کی ہے۔انسان کا روایتی تصور باطل ہو چکا ہے لیکن نئے تصورات اس کے لیے ابھی اس قدر واضح اور ٹھوس نہیں ہیں۔کہ جن کو کسی ایقان کے ساتھ قبول کر لیا جائے چنانچہ وہ ایک تحیر اور حیرانی کی کیفیت میں غرق اپنا راستہ متعین کرنے کی کوشش کرتا ہے"۔(۷)

سلیم الرحمٰن کی اس نظم کا فرد بھی محولہ بالا کیفیت کا مجسم بیان ہے۔ نظم سے متن ملاحظہ ہو:

"اسی لگن کو ہر ایک دل
اپنے ساتھ چمٹائے جی رہا ہے
اسی لگن کا حسین، ننھا سا ہاتھ
تھپکا رہا ہے سب کو

کہ رت پھرے گی، نئی نویلی ہوا چلے گی
ہری بھری مست آستینیں ہوا میں
پھر پھڑ پھڑائیں گی، گنگنائیں گی
زرد، خشکی ٹہنیاں ہنسیں گی
یہ بستیاں رنگ روپ میں
پھر رسیں بسیں گی"(۸)

گویا بیم ورجا کی کیفیت ہے جو زیست کی بنیاد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شعر کا نمایاں وصف شاعر کا تخیل ہوتا ہے جس کی بدولت وہ ان دیکھی دنیاؤں، عرش و افلاک کا سفر الفاظ اور لسانی پیکر گری کی صورت میں کرتا ہے۔ تخیل جتنا بلند اور پختہ ہوگا، شعر اتنا ہی ارفع ہوگا۔ تخیل ایک فعال محرک کے طور پر عمل پیرا ہوتا ہے جس سے ان دیکھی چیزوں کے لیے علامتیں، نشان، تراکیب اور حروف الفاظ کی صورت میں منضبط ہو جاتے ہیں۔ شعر کے اسلوب، زبان و بیان، صوت و لحن سے ہی شعر کا مقام متعین ہوتا ہے۔ سلیم الرحمٰن کا تخیل بھی خاصا عالی ہے اور ان کے تخیل کی پرواز کا اندازہ ان کی زیر بحث نظم سے بخوبی ہوتا ہے:

"ہوا کی دستک کو سنتا جائے
سسکتی اور ڈولتی ہوئی دھڑکنوں کو
گفتار ہے کہاں تک؟

چیختی بے چین ہڈیوں میں

اُلجھی اُلجھی سی ڈوبتی اور ابھرتی سانسیں

نہ جانے کب آسماں کی چھاؤں میں
سکھ ملے گا؟

کہ رُت پھرے گی، نئی نویلی ہوا چلے گی"(۹)

ہوا کی دستک، سسکتی اور ڈولتی ڈھڑکنیں، چیختی بے چین ہڈیاں، اُلجھی اور ڈوبتی سانسیں، آسمان کی چھاؤں جیسے مظاہر کو انسان دیکھتا تو نہیں مگر محسوس ضرور کرتا ہے۔ اسی طرح رُت کا پھرنا اور نئی نویلی ہوا کا چلنا آئندہ اور مستقبل کی زندگی میں بہار کی اُمید کی علامت ہے جسے ابھی دیکھا نہیں گیا۔ غیر مرئی اشیاء سے علامتیں اور نشانات کشید کرنا کہ جو محسوسات کی بھرپور عکاس ہوں، بلند تخیل کا کمال ہے۔ تخیل کی رنگ آمیزیاں اور دیگر اسلوبیاتی و لسانیاتی خوبیاں نظم کی تمثال و تجسیم کاری کی تشریح و توضیح میں ممد ہیں۔ نظم میں رمز نگاری کا یہ عالم ہے کہ الفاظ بظاہر سہل ہیں مگر پس پردہ معانی پیچیدہ ہیں۔ نظم مختلف ایمائی اور رمزی کیفیات، اسرار و رموز، مرئی و غیر مرئی اشیا اور احساسات کے حوالوں سے بھرپور ہے۔ جدید شاعری کا یہی حُسن ہے کہ اس میں لسانی تشکیلات کی ذیل میں اخذ معانی کا کام قاری پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ قاری الفاظ کے ان سانچوں سے فکر و تاثر کی دنیاؤں کا سفر کرنے اور پیش کردہ خیال سے مفاہیم و مطالب اخذ کرنے میں آزاد ہوتا ہے کیوں کہ جدید

شاعری کا وصف ہی ترسیلِ معنی اور طے شدہ نظریات وروایات سے بغاوت ہے۔ سلیم الرحمٰن کی نظم میں بھی یہ وصف موجود ہے۔ وہ لسانی بصیرت کے حامل ہیں جو ان کی شاعری میں تشکیلِ معنی اور ترتیبِ خیال کی صورت میں جلوہ افروز ہوتی ہے۔ ان کے اسلوب کے حوالے سے سعادت سعید لکھتے ہیں:

> "بصری بصیرتوں کا لسانی اظہار دریا کو کوزے میں بند کرنے کی انتہائی صورتوں کا نقیب ہے۔ شاعر لفظوں کے تعمیمی معنوں اور تخصیصی انداز میں استعمال کرنے کے ہنر سے آگاہ بصری و غیر بصری ابہام کے وسیلے سے وسعتِ معانی کی عکس بندی کا جتن کرتا ہے۔ وہ اپنے موضوعات کی فکری جذباتی مرقع کشی کے لیے اشاروں، کنایوں، تمثالوں، استعاروں، علامتوں اور رمزوں سے کام لیتا ہے۔ اس کے مجموعہ کلام کے صفحات اورقِ مصور کی صورت اختیار کر لیتے ہیں "جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی"۔ (۱۰)

نظم "ہسپتال" کے بارے میں سعادت سعید لکھتے ہیں:

> "سلیم الرحمٰن تصوراتی تمثالیں متنوع فکری اشاروں سے معمور ہیں۔ نظم "ہسپتال" ہی کو لیجیے اس میں بیمار معاشرے کی صورتِ حالات منعکس ہوئی ہے۔ سلیم الرحمٰن شعری لوازم کے فنکارانہ برتاؤ سے آگاہ ہیں۔ وہ لفظی دروبست، تراکیب سازی، ساختیاتی چُستی اور دیگر شعری وسائل کے استعمال سے ڈرامائی کوائف کی تخلیق کر سکتے ہیں۔۔۔ انہوں نے کہیں ٹھوس اور کہیں تجریدی حوالوں سے اپنے تجربات کی اشاراتی معنویت کی تجسیم کی ہے۔ لمس، ذائقہ، بُو، آواز، بصارت جیسے حواس کہیں علیحدہ علیحدہ اور کہیں ایک دوسرے میں مدغم ہو کر شاعرانہ احساسات کی جوت جگاتے دکھائی ہیں۔ ایک نئے شاعر کی حیثیت سے وہ خیال، احساس یا جذبے کے اظہار کے لیے مروجہ اوزان میں ردوبدل کرنے کو روا رکھتے ہیں۔ انہیں نظم کے معنوی سلسلے اہم معلوم ہوتے ہیں، اس لیے وہ ان سے متعلقہ صوتی آہنگ کے استعمال کو فوقیت دیتے ہیں"۔ (۱۱)

مجموعی طور پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سلیم الرحمٰن کی نظم میں موضوعات کا تنوع اور شش جہات کا سفر ملتا ہے۔ ان کی نظم شاعری کی پرانی حدبندیوں اور سرحدوں کو پار کر کے نئی راستوں کی جانب گامزن ہے۔ زیرِ مطالعہ نظم "ہسپتال" ان کی دیگر نظموں کی طرح وجودی فکر کی بھرپور عکاسی کرتی ہے، موضوعاتی تنوع اور وسعت کی حامل ہے۔ نظم میں خیال واحساس اور رویوں کے ارتباط سے معنی کی نئی زیریں وبالائی سطحیں تخلیق کی گئی ہیں۔ حسیات کی تمثال و تجسیم کی صورت میں کیا گیا شعری تجربہ لفظ کی کثیر المعنویت کا مظہر ہے۔ نظم کی ہر سطر دوسری سطر یا مصرع سے مطابقت رکھتے ہوئے انفرادیت برقرار رکھتی ہے۔ مذکورہ نظم میں اسلوبیات ولسانیات کی صورت گری کے توسط سے فکر وفن کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ سلیم الرحمٰن کا نام نئی لسانی و تشکیلی شعریت کے بنیاد گزار افتخار جالب اور ظفر اقبال کے دوش بدوش لیا جا سکتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سلیم الرحمٰن نئی نظم کے معماروں میں اپنے اسلوب کی بنا پر جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ خواجہ محمد اکرام الدین، اردو کی شعری اصناف (دہلی: شعبہ اردو، س۔ن)، ص ۴۸۔

۲۔ منظر ایوبی، اردو شاعری میں نئے موضوعات کی تلاش (پاکستان: انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۰ء)، ص ۱۲۰۔

۳۔ آل احمد سرور، نظر اور نظریے (دلی: کوہ نور پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۳ء)، ص ۱۷۹۔

۴۔ لطف الرحمٰن، جدیدیت کا آغاز مشمولہ: اردو کا افسانوی ادب، (پٹنہ: بہار اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء)، ص ۱۳۹۔

۵۔ مبین مرزا، عہد جدید اور انسانی احساس کی صورت گری، بحوالہ:

https://www.rekhta.org/articles/ahd-e-jadeed-aur-insani-ehsaas-ki-soorat-gari-mubeen-mirza-articles?lang=ur

۶۔ سلیم الرحمٰن، منظر جاگتا سوتا ہوا (لاہور: ملٹی میڈیا افیئرز، ۲۰۰۷ء)، ص ۵۲۔

۷۔ طارق ہاشمی، اردو نظم اور معاصر انسان (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۵ء)، ص ۱۶۶۔

۸۔ سلیم الرحمٰن، منظر جاگتا سوتا ہوا، ص ۵۴۔

۹۔ ایضاً ص ۵۲۔

۱۰۔ ایضاً ص ۷۔

۱۱۔ ایضاً ص ۹۔

References in English/Roman

1. Khawaja Muhammad Ikram-ud-Din, Urdu Ki Shairi Asnaaf (Delhi: Shuba Urdu, Year Missing), P. 48.
2. Manzar Ayubi, Urdu Sha'iri Mein Naye Mozua'at Ki Talash (Pakistan: Anjuman Taraqqui Urdu, 2010), P. 120.
3. Aal Ahmad Saroor, Nazar Aur Nazariyah (Delhi: Koh e Noor Printing Press, 1973), P.179.
4. Latif-ur-Rehman, Jadeediyat Ka Aghaz, Included: Urdu Ka Afsanavi Adab, (Patna: Bihar Urdu Academy, 1987), P. 139.
5. Mubeen Mirza, Ehd-e-Jadeed Aur Insani Ehsas Ki Soorat Gari, Reference: https://www.rekhta.org/articles/ahd-e-jadeed-aur-insani-ehsaas-ki-soorat-gari-mubeen-mirza-articles?lang=ur
6. Saleem-ur-Rehman, Manzar Jaagta Sota Hua (Lahore: Multi Media Affairs, 2007), P.52.
7. Tariq Hashmi, Urdu Nazm Aur Mo'aser Insaan (Islamabad: Purab Academy, 2015), P.166.
8. Saleem-ur-Rehman, Manzar Jaagta Sota Hua, P. 54.
9. Ibid, P. 52.
10. Ibid, P. 7.
11. Ibid, P. 9.